ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

"کمال احمد رضوی کے افسانوی تراجم کا تجزیاتی مطالعہ "

AN ANALYSIS OF KAMAL AHMED RIZVI'S TRANSLATED SHORT STORIES

سرفراز حسین،
Sarfraz Hussain
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو
sarfrazhussainfps@gmail.co
ڈاکٹر شذرہ حسین،
Dr. Shazra Hussain
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو
shazra.shar@usindh.edu.pk
ایاز علی جراح،
Ayaz Ali
ریسرچ اسکالر، شعبۂ اردو، سندھ یونی ورسٹی، جام شورو
ayazali@sbbusba.edu.pk

Abstract:

Syed Kamal Ahmed Rizvi (1930-2015) was an individual entity as a popular actor, producer, director, philosopher, novelist, dramatist, translator and short story writer. He was acclaimed as the King of humor and satirical writing, which is an arduous task to work on.

This research paper shades light on Kamal Ahmed Rizvi's Translated Short Story Writing aspect. Through their Translating, he added the world-renowned literary works in to Urdu Literature.

Indeed, Kamal Ahmed Rizvi is famously known for drama writing, however, his short stories translations are also important in quality and content.

Keywords: *Kamal, Humor, Satire, Short Stories, Translation.*

کلیدی الفاظ: کمال، مزاح، طنز، افسانہ نگاری، ترجمہ

کمال احمد رضوی (1930ء۔2015ء) یوں تو ڈرامے کے لیے بنے تھے، مگر اپنی فطری جبلت کے ہاتھوں مجبور کر انھوں نے اردو ادب کی کم و بیش سب ہی اصناف میں طبع آزمائی کی۔ افسانویت کمال احمد رضوی کی گھٹی میں پڑی تھی۔ انھوں نے صرف بارہ (12) برس کی عمر میں ایک کہانی لکھی جو دہلی کے رسالے "جمالستان" میں شائع ہوئی۔ یہیں سے ایک تخلیق کار کا جنم ہوتا ہے جس نے اپنے افسانوی سفر کا آغاز بین الاقوامی ادب کے شاہ پاروں کے ترجموں سے کیا جن میں ناول، ڈرامے، نفسیات، بچوں کے ادب کی کتابیں اور افسانے شامل تھے۔ وہ ایک تخلیقی ذہن کے مالک تھے، افسانے اور زندگی کا بڑا گہرا تعلق ہے، اسی تعلق نے انھیں افسانہ نگاری کی جانب مائل کیا۔ مختلف جرائد کے لیے افسانوں کے ترجمے کرنے کے بعد انھوں نے اس میدان میں خود بھی خامہ فرسائی کی۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

سعادت حسن منٹو(1912ء۔1955ء)،انتظار حسین (1923ء۔2016ء)،اشفاق احمد (1925ء۔2004ء) اور بانو قدسیہ (1928ء۔2017ء)جیسے بڑے افسانہ نگاروں کی صحبت نے جہاں کمال احمد رضوی کو افسانہ لکھنے پر اکسایا،وہیں ان عظیم افسانہ نگاروں کی موجودگی میں انھوں نے افسانہ نگاری کو ترک کر کے خود کو ڈرامہ نگاری کے لیے وقف کر دیا،یہ خود شناسی کی بہترین مثال ہے۔اس مقالے میں کمال احمد رضوی کے تین افسانوی تراجم کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔

افسانے کا فن اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ انسانی شعور،داستان سے شروع ہونے والا افسانوی ادب کا یہ سفر ناول سے ہوتا ہوا افسانے تک پہنچا تو مغرب میں اس کی روز افزوں مقبولیت کے اسباب زیادہ ہونے کی وجہ سے ناول جیسی مضبوط صنف اس کے آگے نہ ٹھہر پائی۔افسانے کی مقبولیت کی بڑی وجہ لوگوں کی عدم فرصتی تھی۔

> "مغرب میں افسانے کا موسس ایک پڑھا لکھا،شائستہ اور ذہنی طور پر تاب ناک شخص ہے،یعنی ایڈ گرایلن پوAdgar Allon Poe(1809ء۔1849ء)۔اس کے ذہن کی جودت اور رسائی اور طبیعت داری کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ جاسوسی داستانوں اور مختصر افسانوں کے تمام سر چشمے اسی کے افسانوں سے پھوٹتے ہیں"۔(1)

انگریزی میں ایڈ گرایلن پو،اسٹیونس،اوہنری، کیتھرائن میس فیلڈ،مائکل ارلن،ارنلڈبینٹ،کوپرڈ،ہنری جیمس، جیمس جوائس،لارنس،ہنری ملر،کولیر،کانن ڈائل جیسے جلیل القدر فنکاروں نے مختصر افسانے کی صنف کو در حقیقت ثریٰ سے ثریا تک پہنچا دیا۔(2)اردو مختصر افسانے نے ایک صنف ادب کی حیثیت سے بیسویں صدی کے بالکل شروع میں جنم لیا اور اس وقت سے لے کر اب تک اتنی شکلیں بدلیں کہ ادب کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے یہ صورت حد درجہ غیر معمولی بھی ہے اور حیرت انگیز بھی۔"(3)اردو افسانے کا آغاز سجاد حیدر یلدرم(1880ء۔1943ء) کے ترکی افسانوں کے ترجموں سے ہوتا ہے،مگر دھنپت رائے سہنا المعروف پریم چند(1880ء۔1936ء) کے پہلے طبع زاد افسانے "دنیا کا سب سے انمول رتن"(1907ء) کے بعد اردو افسانے نے ترقی کی منازل بہت تیزی سے طے کیں۔پریم چند کے افسانے اردو ادب کی کلاسیکی میراث قرار پائے۔پریم چند سے سعادت حسن منٹو تک ہر ادیب نے اپنے افکار اور تصورات کے اظہار کے لیے افسانے کی صنف کا انتخاب کیا۔کمال احمد رضوی بھی اس رجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔انھوں نے اپنے پیش رو سجاد حیدر یلدرم کی طرح افسانہ نگاری کا آغاز جدید افسانے کے امام* کہلانے والے روسی ادیب انتون پاؤلاوچ چیخوف Anton Pavlovich Chekhov(1840ء۔1904ء) کے دو مشہور اور کلاسیکی افسانوں کے ترجمے سے کیا۔

انتون چیخوف کا افسانہ (“Pevichka” xopntka) 1886ء میں "Oskolki" کے زیر اہتمام روسی زبان میں شائع ہوا تھا۔اس کا انگریزی زبان میں ترجمہ "مارین فیل" Marian Fell(1886ء۔1935ء) نے 1912ء میں Chavles Scribnev’s کے تحت 1912ء میں "The Chorus Girl" کے نام سے کیا۔کمال احمد رضوی نے اس کا اردو ترجمہ 1953ء میں "ادب لطیف،لاہور" کے لیے "گائیکہ" کے نام سے کیا۔

”گائیکہ“ایک ایسی پیشہ ور عورت کی کہانی ہے جو فطرتاً نیک،خدا ترس اور رحم دل واقع ہوئی ہے۔یہ ایک بیانیہ افسانہ ہے،جس میں اس افسانے کی مرکزی کردار "پاشا" اپنے آشنا "نکولائی پڑووچ" کے ساتھ اپنے گھر میں موجود ہے کہ اچانک ڈور بیل بجنے سے آشنا،جو اس وقت کوٹ اتارے زیر پائیاں میں ملبوس ہے،فوراً اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے دوسرے کمرے میں چلا جاتا ہے،جب کہ "پاشا" اس اطمینان کے ساتھ کہ دروازے پر ڈاکیا یا کوئی سہیلی ہو گی، دروازہ کھولتی ہے تو اس کے سامنے ایک اجنبی عورت کھڑی اس سے اپنے شوہر کی یہاں آمد کے متعلق استفسار کرتی ہے،آنے والی عورت کا رنگ اڑا اڑا سا ہے، کمرے میں داخل ہو کر اس نے ارد گرد کا جائزہ لیا اور اس کے بعد پاشا سے گویا ہوئی کہ اس کے شوہر کے دفتر والوں کو اس کے غبن کا پتا چل گیا ہے اور وہ اسے گرفتار کروا دیں گے اور یہ سب صرف تمھاری وجہ سے ہوا ہے،اگر وہ آج پکڑا گیا تو میں اور میرے معصوم بچے دربدر ہو جائیں گے۔اگر کسی طرح انھیں نو سو روبل دے دیئے جائیں تو اس مصیبت اور ذلت سے نجات مل سکتی ہے۔وہ "پاشا" سے کہتی ہے کہ مجھے پتا ہے کہ میرا شوہر پچھلے ایک سال سے مسلسل تمھارے پاس آتا ہے اور اس نے جو تم کو قیمتی تحائف دیئے ہیں وہ تم مجھے واپس کر دو تا کہ میں اپنے بچوں کو سڑک پر آنے سے بچا سکوں۔"پاشا" نے اس عورت کو قسم کھا کر یقین دلانے کی کوشش کی کہ اس کے شوہر نے اسے کبھی کوئی قیمتی تحفہ نہیں دیا سوائے دو معمولی سی چیزوں کے،جن میں ایک نگ دار انگوٹھی اور

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

ایک کنگن شامل ہے جو "پاشا" اس عورت کو باخوشی دینے پر تیار ہو گئی۔ ساتھ ہی "پاشا" نے اس پر واضح کر دیا کہ "وہ جب آتا ہے تو صرف میٹھے کیک لاتا ہے" (4)۔ وہ عورت منت سماجت کے بعد باقاعدہ روتے ہوئے "پاشا" کے پاؤں تک پکڑنے کو تیار ہو جاتی ہے۔ "پاشا" ترس کھا کر اس عورت کو، دوسرے گاہکوں کے دیئے گئے قیمتی تحائف ایک ایک کر کے دے دیتی ہے۔ پاشا تصور میں بچوں کو گلیوں میں بھوک سے بلبلاتے سوچ کر خود بھی سسکنے لگتی ہے اور الماری میں سے نکال کر اپنی ہر قیمتی چیز اس عورت کے حوالے کر دیتی ہے۔ وہ عورت تمام چیزوں کو رومال میں باندھ کر کوئی بات کیے بنا باہر چلی جاتی ہے۔

اس اجنبی عورت کے جانے کے بعد برابر والے کمرے سے اس عورت کا شوہر آتا ہے جس نے چھپ کر سارا منظر دیکھا ہوتا ہے، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہیں، پاشا کے اس سے پوچھنے پر کہ اس نے کب اسے کوئی قیمتی تحفہ دیا ہے وہ الٹا پاشا کو کہتا ہے کہ تجھ جیسی بیسوا اور ذلیل عورت کے آگے میری معزز بیوی گڑگڑائی ہے اور اپنے بیوی بچوں کی اس ذلت کا وہ خود ذمہ دار ہے وہ خو کو کبھی اس جرم کے لیے معاف نہیں کرے گا۔ وہ غصے میں "پاشا" کو دھکا دیتا ہے اور جلدی سے لباس تبدیل کر کے دروازے کو زور سے آگے دھکیلتے ہوئے باہر نکل جاتا ہے۔

"پاشا" نے اس کی بیوی اور بچوں پر ترس کھا کر اپنی آج تک کی ساری کمائی اس کی بیوی کے حوالے کر دی، لیکن وہ پاشا کا شکر گزار ہونے کی بجائے اسے اس صورت حال کی وجہ قرار دے کر چلا جاتا ہے۔ جس پر پاشا لیٹ کر زور زور سے رونے لگتی ہے۔ کیوں کہ اس کے آشنا کے اس رویئے نے اس کے سارے نیک جذبات کو بری طرح مجروح کیا جن کے زیر اثر ہو کر وہ اپنا سب کچھ اس کی بیوی کو دے چکی تھی۔ پاشا کو تین سال پہلے کا ایک واقعہ بڑی شدت سے یاد آنے لگا جب ایک سیٹھ نے بلاوجہ اسے بری طرح مارا تھا اور اس واقعے کو یاد کر کے وہ مزید شدت سے رونے لگتی ہے۔

کمال احمد رضوی نے اس افسانے کا بامحاورہ ترجمہ کیا ہے۔ خاص طور پر اس افسانے کے اختتام کو جس خوبی سے رقم کیا ہے اس سے قطعی یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ کسی اور زبان سے اردو میں منتقل کیا گیا ہے۔ ذیل میں اس کا انگریزی اقتباس اور ساتھ ہی کمال احمد رضوی کا اس انگریزی اقتباس کا اردو میں کیا گیا ترجمہ بھی تحریر کیا جا رہا ہے تاکہ پڑھنے والوں کے لیے آسانی ہو۔

> "Pasha lay down and began wailing aloud. She was already regretting her things which she had given away so impulsively, and her feeling were hurt she remembered how three years ago a merchant had beaten her for no sort of reason, and she wailed more loudly than ever".(5)

> "پاشا لیٹ کر زور زور سے رونے لگی۔ ان تمام چیزوں کا سوچ کر جنھیں اس نے جنون اور دیوانگی میں دے دیا تھا اس کے جذبات مجروح ہونے لگے اور پھر اسے یاد آیا تین سال پہلے ایک سیٹھ نے اسے بلا قصور بری طرح پیٹا تھا۔ یہ یاد کر کے وہ اور زور زور سے بلکنے لگی۔۔۔۔۔۔۔"(6)

انتون چیخوف کا افسانہ (Hobaraua) 1899ء میں روسی زبان میں شائع ہوا، جس کا انگریزی ترجمہ کونسٹنس گارنٹ 1946ء۔ Constance Garnett نے 1917ء میں Willey Book Company, New Yark(USA) کے زیر اہتمام "The New Villa" کے نام سے شائع کیا۔ اس ترجمے کو کمال احمد رضوی نے ماہ نامہ "ہمایوں" لاہور کے لیے 1954ء میں "نئی حویلی" کے نام سے اردو میں منتقل کیا۔

انتون چیخوف کے اس افسانے کا شمار روسی زبان کے کلاسیکی افسانوں میں کیا جاتا ہے۔ دیہی زندگی کے پس منظر میں لکھا جانے والا یہ افسانہ قدرتی حسن سے مالا مال "ابروشنوف گاؤں (Village of Obruchanovo) کے بارے میں ہے۔ اس گاؤں سے دو میل کے فاصلے پر واقع دریا پر ان دنوں پل کی تعمیر جاری ہے، اس پل کی تعمیر کی نگرانی پر مامور انجینئر کوچروف "Kocherov" کو یہ علاقہ بے انتہا پسند آتا ہے وہ قریبی ندی کے کنارے زمین خرید کر ایک دو منزلہ خوب صورت مکان تعمیر کروا کر ماسکو سے اپنے بیوی بچوں کو وہاں مستقل سکونت کی غرض سے بلوا لیتا ہے۔ اس نو تعمیر مکان کا نام "نئی حویلی" رکھا جاتا ہے۔

گاؤں کے لوگ مفلس اور نادار ہیں اور ہر غریب معاشرے کی طرح احساس کمتری اور اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہیں۔ وہ لوگ انجینئر کوچروف اور اس کی بیوی ایلینا ایوانوفینا (Elena Ivanovna) کو اجنبی ہونے کی وجہ سے پسند نہیں کرتے ہیں جب کہ انجینئر اور اس کی بیوی دل سے گاؤں والوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

کی مدد کے خواہاں ہیں اور گاؤں کے بچوں کے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں۔ گاؤں کے آوارہ لڑکے گاہے بہ گاہے انھیں پریشان کرنے کا کوئی نہ کوئی بہانہ نکال لیتے ہیں۔ وہاں کے لوگ انھیں طرح طرح سے تنگ کرتے ہیں، ان کی رحم دلی اور شرافت کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں جب کہ گاؤں والوں کے رویے کے برعکس انجینئر اور اس کی بیوی گاؤں والوں کے ساتھ بھائی چارے اور دوستانہ سلوک کے شدت سے خواہش مند ہیں۔ یہاں تک کہ انجینئر کی بیوی اپنی بیٹی کے ہم راہ گاؤں میں آکر غریب لوگوں کی مالی مدد بھی کرتی رہتی ہے۔ وہ انھیں اپنی بیماری کے متعلق بتا کر ان سے درخواست کرتی ہے کہ یہ سرسبز علاقہ اسے بے حد پسند آیا ہے یہاں کی آب و ہوا شاید اس کی بیماری کو دور کر کے اس کو صحت دے دے، وہ لوگ یہاں امن اور سکون سے رہنا چاہتے ہیں۔ اپنی بیماری کی وجہ سے وہ شاید ان لوگوں کے لیے کچھ نہ کر پائے مگر وہ اپنے بچوں کو اس بات کی تربیت دے گی کہ وہ بڑے ہو کر گاؤں کے لوگوں کی خدمت کر سکیں۔ وہ گاؤں والوں کو سمجھاتی ہے کہ اس کا شوہر ایک نیک دل انسان ہے، گاؤں والوں کے اس رویے کی وجہ سے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہونے لگا ہے۔ آپ لوگ ہمیں اپنے ہی جیسا سمجھیں اور ہمارے ساتھ ہم سایوں کا برتاؤ کریں، مگر گاؤں والوں کا سرد مہری کا رویہ اسے مزید دکھی کر دیتا ہے۔

گاؤں کے اوباش لڑکوں نے اب اس نئی حویلی کے درخت کاٹ کر فروخت کرنا اور اس حویلی میں چوری کرنا شروع کر دی۔ ہر آنے والے دن کے ساتھ نئی حویلی کے مکینوں کا جینا دوبھر ہوتا جا رہا تھا۔ گاؤں کے بزرگ لوگ انجینئر اور اس کے خاندان کو پسند کرتے ہیں اور نہیں چاہتے کہ انھیں تنگ کیا جائے مگر ان کی اوباش اولادیں ان کے قابو سے باہر ہیں اور نافرمان بھی ہیں۔ بالآخر گاؤں کے اوباش لڑکوں کے اس برتاؤ سے تنگ آکر انجینئر اور اس کا خاندان واپس ماسکو لوٹ جاتا ہے۔ کچھ ہی عرصے میں وہ مکان ایک سرکاری ملازم خرید لیتا ہے وہ چھٹیوں میں اپنی بیوی بچوں کے ساتھ اس نئی حویلی میں قیام کے لیے آتا ہے اس کا رویہ گاؤں کے لوگوں کے ساتھ متکبرانہ ہے وہ گاؤں کے لوگوں کو سلام کا جواب تک دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتا ہے۔ اب گاؤں کے لوگوں کو احساس ہوتا ہے کہ انجینئر اور اس کی بیوی بہت نیک دل لوگ تھے۔ انھوں نے کبھی گاؤں کے لوگوں کو کوئی تکلیف نہیں دی تھی اور گاؤں کے لوگ بھی برے نہ تھے پھر ایسا کیا تھا کہ وہ اس مغرور سرکاری ملازم، جو ایک کلرک ہے، کے ساتھ گزارا کر رہے ہیں، مگر ان میاں بیوی کے ساتھ ان کا نباہ نہ ہو سکا جو ان لوگوں کا دل سے احترام کرتے تھے اور ان کی ترقی کے دلی خواہاں بھی تھے۔ نہ جانے اس گاؤں کے اوباش لڑکوں کے ذہن میں یہ بات کیوں کر بیٹھ گئی کہ "ہم پل کے بغیر بھی تو زندہ تھے"(7)۔

اس افسانے میں دیہی زندگی کے مخصوص نفسیاتی پہلو کو بیان کیا گیا ہے۔ دیہات میں رہنے والے لوگ اپنے طرز زندگی سے مطمئن رہتے ہیں اور اپنی زندگی کے طور طریقوں میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں چاہتے ہیں۔ پل کی تعمیر ان لوگوں کی زندگی کے انداز کو بدلنے جا رہی تھی جس کی وجہ سے وہ لوگ انجینئر اور اس کے خاندان کو ناپسند کرتے تھے اور بالآخر ان کو ماسکو روانہ کر کے ہی انھیں چین آیا اور "نئی حویلی" سنسان ہو گئی۔

کمال احمد رضوی نے پونا یونی ورسٹی سے نفسیات میں گریجویشن کی تھی اس افسانے میں نفسیات سے مکمل آگاہی کا ثبوت دیتے ہوئے اس ترجمے کو اس کے فطری انداز میں تحریر کیا ہے۔ اس افسانے کے انگریزی ترجمے کا اقتباس اور اس کا ترجمہ درج کیا جا رہا ہے تاکہ اس ترجمے کی روانی و بے ساختگی کو بہتر طور پر سمجھا جا سکے۔

> "I like your place here very much" she said, and smiled, and from that faint, diffident smile one could tell how unwell she really was, how young and how pretty; she had a pale, thinnish face with dark eyebrows and fair hair. And the little girl was just like her mother: thin, fair, and slender. There was a fragrance of scent about them."(8)

"مجھے آپ لوگوں کی جگہ بہت پسند ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ اور اس کی مرجھائی ہوئی نحیف مسکراہٹ سے ایسا حزن ایسا دکھ نمایاں ہوا جیسے وہ واقعی بیمار ہو۔ اس قدر جوان اور خوب صورت ہونے کے باوجود اس کا چہرہ سوکھے ہوئے پتے کی طرح زرد، پتلا آنکھوں کے گرد حلقے اور لمبے سیاہ بال، سب ڈراؤنے نظر آرہے

تھے۔ بچی بھی ماں کی طرح دبلی پتلی گوری اور نازک اندام تھی۔ ان کے کپڑوں سے بھینی بھینی خوش بو پھوٹ رہی تھی"(9)۔

کارسن مک کلر1914ء۔1967ء(Carson McCullers)کامشہورافسانہ(A three, A Rock, A cloud)مشہور امریکن فیشن میگزین"Haper's Bazaar"میں1942ءمیں شائع ہوا۔کارسن میک کلرایک امریکی افسانہ نگار،ناول نگاراور شاعرہ تھیں۔ان کا یہ افسانہ ان کے افسانوی مجموعے"The Ballad of the Sad Cafe"میں شامل کیا گیا جو1951ءمیں شائع ہوا۔ پال اینگلز(1908ء-1991ء)Paul Engles نے،جوThe O.Henry Award Anthologyکے ایڈیٹر تھے،کارسن مک کلر کے اس افسانے کوامریکی ادب کاسب سے زیادہ مکمل افسانہ قراردیا تھا۔کمال احمد رضوی نے1957ءمیں ماہ نامہ "ساقی"کراچی کے لیےاس افسانے کاترجمہ "درخت،بادل چٹان" کے نام سے کیا۔

افسانے کاآغاز اس منظر سے ہوتاہے کہ رات بھر کھلے رہنے والے کیفے میں ایک بوڑھا شخص کونے میں تنہا بیٹھاہے،اس وقت کیفے میں کچھ فوجی اور قریبی مل میں کام کرنے والے مزدور بھی موجود ہیں۔ایک اخبار فروش لڑکا،جس کی عمر بارہ(12)سال کے قریب ہے،صبح کی ٹھنڈ اور بارش سے بچنے اور کام پر تازہ دم ہو کر جانے کے لیے کافی پینے کیفے میں آتاہے،اسے کیفے میں غیر معمولی خاموشی کااحساس ہوتاہے۔یہاں تک کہ کیفے کامالک "لیو"بھی اس پر کوئی توجہ نہیں دیتاہے۔لڑکاکافی پی کراپنابل اداکر کے روانہ ہونے لگتاہے کہ پیچھے سے کوئی اسے پکارتاہے،وہ پیچھے مڑ کر دیکھتاہے،کونے میں بیٹھاتنہا شخص اُسے اشارے سے اپنی جانب بلارہاہوتاہے۔لڑکاجب اس کے پاس جاتاہے تووہ شخص لڑکے سے اظہار محبت کرتاہے جس میں ہم جنس پرستی کاشائبہ نہیں۔لڑکا اجنبی کے رویے سے بدحواس ہو جاتاہے مگراس بوڑھے کی ساتھ بیٹھ کر بات سننے کی درخواست پر وہ ہمت کر کے کاؤنٹر کے سامنے رکھے ایک اسٹول پر بیٹھ جاتاہے۔اجنبی جیب سے دوپرانی اور بوسیدہ تصاویر نکال کر لڑکے کو دکھاتاہے جو اس لڑکے کے لیے انجان ہیں۔اجنبی دونوں تصویریں اپنی جیب میں رکھنے کے بعد لڑکے کو بتاتاہے کہ آج سے بارہ سال پہلے اس نے اس عورت سے شادی کی تھی جو ایک سال نوماہ تین دن اور دو گھنٹے اس کی بیوی رہنے کے بعد کسی اور شخص کے ساتھ بھاگ گئی۔دو سال وہ اس کی تلاش میں ہر اس جگہ گیا جس کاذکر اس عورت نے اس سے کبھی کیا تھا،مگر وہ نہیں ملی۔اس تلاش میں ناکامی کے بعد دھیرے دھیرے اس عورت کاتصور اس شخص کے خیال سے محو ہو گیا۔وہ اب چاہ کر بھی اسے اپنے تصور میں نہیں لاپاتاہے۔اسے محسوس ہوا کہ اب جیسے اس کی تلاش ختم ہوئی اور اب وہ عورت اس کی تلاش میں ہے۔بالآخر ایک وقت ایساآیاجب اس اجنبی کے خیال میں دونوں کی تلاش ختم ہوئی اور اس نے محبت کا راز پالیا۔اب وہ راہ چلتے کسی بھی چیز سے محبت کر سکتاہے،درخت،بادل،چٹان،کسی عورت کی پنڈلیاں،چاندنی،راستے میں پڑی ہوئی شیشے کی کرچیاں یاموسیقی کی دھن جیسی کوئی بھی چیز اس اجنبی کو اس عورت کی یاد کے نقوش یاد دلادیتے ہیں،گزشتہ پانچ سال سے وہ ہر چیز سے محبت کر رہاہے۔اپنی بات ختم کر کے وہ ایک سانس میں اپنی ساری بیئر ختم کر کے وہاں سے رخصت ہوتے ہوئے ایک بار پھر اس اخبار فروش لڑکے سے اپنی محبت کااظہار کرتاہے۔اس کے وہاں سے رخصت ہو جانے پر اخبار فروش لڑکا کیفے کے مالک "لیو" سے پوچھتاہے کہ کیا یہ شخص نشے میں تھا یا پاگل،جنونی یا سنکی تھا؟لیکن "لیو"اس لڑکے کی بات کا عمداًجواب نہیں دیتاہے۔لڑکے کے روانہ ہوتے وقت "لیو"فقط اتناکہتاہے،"معلوم ہوتاہے اس نے بھی بڑی دنیادیکھی ہے"(10)۔

یہ افسانہ ڈچ فلاسفر سپنوزا1632ء۔ 1677ء(Baruch Spinoza)کی فلاسفی کہ "جب ہم خود کو خدا کے حضور پیش کر دیتے ہیں تو کائنات کی ہر چیز ہمیں خوشی دیتی ہے"کوبنیاد بناکر تحریر کیا گیاہے۔یہ فلسفہ،فلسفۂ وحدت الوجود کے قریب ہے۔کمال احمد رضوی نے بہت خوب صورت انداز میں اس کی روح مجروح کیے بناءاردو میں منتقل کیاہے۔ان کاترجمہ بامحاورہ اوراس افسانے کی تمام تر احساس لطافت کاترجمان ہے۔

> "Then I met this woman. I was fifty-one years old, and she always said she was thirty. I met her at a filling station, and we were married within three days. And you know what it was like? I just can't tell you. All I had ever felt was gathered together around this woman. Nothing lay around loose in me anymore but was finished up by her"(11)

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.8 No.3 2024

"تب میری اس عورت سے ملاقات ہوئی،اس وقت میری عمر کوئی پچاس سال تھی،وہ اپنی عمر ہمیشہ تیس سال بتایا کرتی تھی۔میری اس سے ریلوے اسٹیشن پر ملاقات ہوئی تھی اور ملاقات کے تین ہی دن بعد میری اس سے شادی ہوگئی اور پتا ہے اس کا اثر میری زندگی پر کتنا گہرا ہوا؟میں تمھیں بتا نہیں سکتا۔مجھے یوں محسوس ہوا جیسے یہی عورت میری زندگی کا محور ہے۔میں اپنی تمام بے اعتدالیوں کو خیر باد کہہ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی عورت کا ہو کر رہ گیا"(12)۔

کمال احمد رضوی نے اپنے اس ترجمے میں زبان کی نزاکتوں اور چھوٹی چھوٹی باتوں کا بہت عمدگی سے خیال رکھتے ہوئے اس کا ترجمہ کیا ہے اس ترجمے سے اردو ادب کے دامن میں بین الاقوامی ادب کی روشنی بھی شامل ہوئی جس نے آگے چل کر اردو ادب کے دامن کو روشنیوں سے بھر دیا۔

"حواشی"

1۔ عابد علی عابد،سید،پروفیسر "اصول انتقادِ ادبیات"،(لاہور: مجلس ترقی ادب،طبع اول،1960ء)،ص612۔

* ولیم سڈنی پوٹر(William Sydney Porter)نے کئی قلمی نام استعمال کیے جن میں اوہنری O.Henry یا اولیور ہنری Oliver Henry کے علاوہ ایس۔ایچ پیٹرز(S.H. Peters) جیمس ایل بلیس(James L.Bliss) ٹی۔بی ڈاود(T.B. Dowd) اور ہاروڈ کلارک Henry Howard Clerk بحوالہ: Porter, William Sydney (O.)

By: Edgar E.Macdonald, 1994, University of North Caroline Press (USA)

2۔ ایضاً۔ص616-

3۔ وقار عظیم،"داستان سے افسانے تک"،(کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،طبع اول،1960ء)،ص175۔

* Russian Literature: Anton Chekhov Encyclopedia Britannica, December 2018۔

4۔ کمال احمد رضوی،"گائیکہ "،" مشمولہ "شخصیت"کمال احمد رضوی نمبر،(کراچی: ٹیلنٹس گلڈ،1998ء)،ص135۔

5۔ Chekhov, Anton "The Chorus Girls and other stories". Published: University of Michigan Library, 1920. Page No. 05

6۔ کمال احمد رضوی ،"گائیکہ" محولہ بالا ص،137۔

7۔ ایضاً"نئی حویلی"،ص148۔

8۔ Chekhov, Anton "The Chorus Girls and other stories". Published: University of Michigan Library, 1920. Page No. 07

9۔ کمال احمد رضوی،"نئی حویلی" محولہ بالا،ص143۔

10۔ کمال احمد رضوی،"درخت،بادل،چٹان"مشمولہ "شخصیت"کمال احمد رضوی نمبر،ص240۔

11۔ McCullers, Carson "A Tree, A Rock, A cloud. Published by Haper Bazaar, 1942, Page No. 12

12۔ کمال احمد رضوی ،ایضاً،ص160۔

کتابیات

1۔ عابد علی،عابد،سید،پروفیسر "اصول انتقادِ ادبیات"،(لاہور: مجلس ترقی ادب،طبع اول،1960ء)

2۔ عظیم،وقار "داستان سے افسانے تک"،(کراچی:اردو اکیڈمی سندھ،طبع اول،1960ء)

3۔ Chekhov, Anton "The Chorus Girls and other stories". USA. University of Michigan Library, 1920

4۔ Edgar E.Macdonald, 1994, University of North Caroline Press (USA)

5۔ McCullers, Carson "A Tree, A Rock, A cloud. New York City, Haper Bazaar, 1942

رسائل و جرائد

1۔ "شخصیت"(کمال احمد رضوی نمبر)،شمارہ نمبر2،کراچی، ٹیلنٹس گلڈ1998ء۔

2۔ Russian Literature: Anton Chekhov Encyclopedia Britannica, December 2018